# شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی
# تحریکِ رجوع اِلی القرآن والسُّنّہ
## اور موجودہ دور میں اس کی معنویت

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی ☆

ہندوستانی علماء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) ایک ممتاز عالم و مصنف اور عظیم مفکر و مصلح کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں، لیکن ان کی آخر الذکر حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں:

☆ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے ساتھ انہوں نے اصلاحِ معاشرہ پر بھرپور توجہ دی، جبکہ عام طور پر مذکورہ مصروفیات سے تعلق رکھنے والے حضرات یا تو گوشہ نشیں رہتے ہیں یا عوامی سطح پر اتر کر سماج کی نبض پر ہاتھ رکھنا اور عام لوگوں کے مسائل سے باخبر ہو کر ان کے حل کے لیے کوشش کرنا گوارا نہیں کرتے۔

☆ اپنی اصلاحی تحریک شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحب نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کی مذہبی، سماجی، معاشی و سیاسی زندگی کا بغور جائزہ لیا اور علماء و صوفیاء، اہل حکومت و عوام سب کے احوال و کوائف کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے امراض کی نشاندہی کی۔

☆ شاہ ولی اللہؒ نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی انفرادی و ملی زندگی کو لاحق ہونے والے امراض کی تشخیص کی بلکہ ان کا علاج بھی تجویز کیا۔ انہوں نے محض مسائل کا انبار نہیں لگایا بلکہ ان کے حل کے لیے مؤثر و مفید تدابیر بھی سجھائیں، جبکہ دوسرے مصلحین نے عام طور پر یا تو صرف امراض کی نشاندہی کی ہے یا محض اصلاحی تجاویز و تدابیر پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

☆ شاہ ولی اللہؒ نے مسلم معاشرہ کے کسی خاص طبقہ کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بنایا بلکہ مختلف طبقہ کے لوگوں (بادشاہ و امراء، علماء و صوفیاء، سپاہی و افسران، اہل حرفت و صنعت اور عوام) کی اصلاح کے لیے کوشش

☆ معاون مدیر سہ ماہی علوم القرآن۔ شبلی باغ، علی گڑھ (انڈیا)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اور اپنی تحریروں میں ان میں سے ہر طبقہ کے حالات کے اعتبار سے ان سے الگ الگ انداز میں خطاب کیا اور انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں اصلاحِ حال کی دعوت دی۔

☆ سماجی زندگی کی اصلاح کے لیے اپنے خیالات کو پیش کرتے ہوئے یا مسلمانوں کو اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ نے سب سے زیادہ قرآن وسنت کی اتباع پر زور دیا۔ مختلف طبقات کے مسلمانوں سے خطاب میں یہی ان کا مشترک پیغام تھا اور اسی کی قبولیت اور اس پر عمل آوری کو انہوں نے ان کے مرض کے ازالہ کے لیے سب سے کارگر ومفید نسخہ بتایا۔ مزید برآں اپنی تصنیفی وتالیفی مصروفیات کے ذریعہ وہ اسی نسخہ کی تشریح وتوضیح فرماتے رہے اور اس کی اہمیت وتاثیر دلوں میں نقش کرتے رہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے جن حالات میں اپنی اصلاحی تحریک شروع کی اور لوگوں کو رجوع الی القرآن والسنۃ کی دعوت دی ان کا نقشہ خود شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں کھینچا ہے' اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا طبقہ نہیں تھا جس کی زندگی فساد یا بگاڑ کا شکار نہ ہو۔ عام طور پر قرآن وحدیث سے بے توجہی پائی جاتی تھی' مجالس آرائی یا پڑھے لکھے لوگوں کی حلقہ بندی کا رواج تھا لیکن ان حلقوں میں بس قصے کہانی کی کتابیں' صوفیاء کے ملفوظات' مشہور فارسی شعراء کے اشعار اور حکماء وفلاسفہ کے اقوال کا چرچا ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے فارسی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں ان مروّجہ کتابوں میں سے کچھ کا نام ظاہر کرتے ہوئے اپنے زمانہ کی صورت حال کی بہترین عکاسی فرمائی ہے' خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

> ''چناں که یاران سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین' گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبدالرحمٰن و امثال آں نقل مجلس دارند' چه باشد اگر ایں ترجمه را بهماں اسلوب درمیان آرند و حصه از شغل خاطر بادراک آں گمارند. گر آں شغل با کلام اولیاء است ایں بر شغل کلام الله و اگر آں مواعظ حکیماں است ایں مواعظ احکم الحاکمین است'' (۱)

ان باتوں سے شاہ صاحب کا مقصود اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ قرآن کی نسبت سے مجلسیں یا اسے سمجھنے سمجھانے کے حلقے تقریباً مفقود تھے اور پھر یہ دعوت دینی تھی کہ اصل ضرورت تو قرآن کے مذاکرہ اور اسے سمجھنے وسمجھانے کی ہے۔ اس لیے کہ اس سے بڑھ کر نصیحت کی کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی اور اس سے زیادہ کسی اور کتاب میں حکمت ودانائی کی بات مل ہی نہیں سکتی۔ مسلم معاشرہ کی جس صورتِ حال میں شاہ ولی اللہؒ نے اپنی دعوتِ قرآن شروع کی اس میں انہوں نے ضروری سمجھا کہ سرچشمۂ ہدایت ہونے کی حیثیت سے قرآن کریم کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا جائے' لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت وقدر وقیمت جاگزیں کی جائے اور اس نسخۂ کیمیا سے فیض یابی کی ضرورت واہمیت دل ودماغ میں نقش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ

انہوں نے اپنی کتب و رسائل میں مختلف طور پر قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ کہیں انہوں نے علمِ قرآن کو اعظم العلوم، اجل العلوم و انجل العلوم سے تعبیر کیا[۲] تو کبھی انہوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان میں سب سے بڑی نعمت فہمِ قرآن ہے اور یہ کہ اس کمترین اُمت پر نبی کریم ﷺ کے بہت احسانات ہیں، ان میں سب سے عظیم احسان قرآن کی تبلیغ (یعنی اس کے پیغام کی ترسیل) ہے اور وہ اس طور پر کہ آپ ﷺ نے قرآن کی تلقین قرنِ اوّل کو فرمائی، درجہ بہ درجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت و درایت سے حصہ ملا[۳]۔ اتباعِ رسولؐ اور حدیث کی اہمیت واضح کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے اسے ''**عمدة العلوم اليقينية**'' اور ''**مبنى العلوم الدينية**'' قرار دیا اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کو بہترین سنت سے تعبیر کیا[۴]۔

اہم بات یہ کہ شاہ ولی اللہؒ نے نہ صرف یہ کہ قرآن و سنت کے مقام و مرتبہ کو واضح فرمایا بلکہ اپنے زمانہ کے حالات کے پیش نظر لوگوں کو بار بار یہ دعوت بھی دی کہ وہ انہیں پڑھیں، سمجھنے کی کوشش کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ شاہ صاحب نے خود بھی بچپن ہی سے اس کی جانب توجہ دی، وہ اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیمؒ سے قرآن کا معنی و مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے۔ ان کا ذوق فہم قرآن اسی دور کی یادگار ہے اور اس میں ان کے والد کی تعلیم و تربیت کا خاص دخل رہا ہے، جیسا کہ خود انہوں نے اس کی صراحت کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسہ میں قرآن عظیم کے معانی، شانِ نزول اور کتبِ تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلامِ قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقع ملا جو میرے لیے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے''۔[۵]

انہوں نے اپنے مقررہ نصابِ تعلیم میں اس بات کو خاص اہمیت دی کہ عربی زبان سے واقفیت کے بعد قرآن و حدیث کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے اور قرآن شریف کی تعلیم کے سلسلہ میں اس نکتہ پر خاص زور دیا کہ اوّلین مرحلہ میں بغیر تفسیر کی کسی کتاب کی مدد کے شروع سے آخر تک پورے قرآن کا ترجمہ کیا جائے اور مختصر تشریح کی جائے اور پھر دوسرے مرحلہ میں تفسیر کی کوئی کتاب سامنے رکھ کر قرآنی آیات کا معنی و مفہوم واضح کیا جائے۔[۶] ان سب سے اہم یہ کہ شاہ صاحب نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں پہلی ہی وصیت میں یہ تلقین کی کہ قرآن و حدیث پر مضبوطی سے قائم رہا جائے، روزانہ ان کا کچھ حصہ پڑھا جائے، ان میں غور و فکر کیا جائے اور ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر پڑھنے کی اہلیت نہ ہو تو دونوں میں سے کم از کم ایک ورق کا ترجمہ سنا جائے۔[۷]

آسان طریقہ پر ہر گھر میں قرآن کے پیغام کو یاد کرنے اور پھیلانے کا یہ عملی طریقہ تھا جس کی ترویج کے لیے شاہ صاحب نے بھرپور کوشش کی۔ درحقیقت وہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی مسلم گھر اس کتابِ ہدایت کے ذکر



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے خالی نہ رہے۔ اس لیے کہ معاشرہ کی بگڑی ہوئی صورت حال کا یہی تقاضا تھا اور وہ اس یقین تک پہنچ گئے تھے کہ اس منبعِ رشد وہدایت سے مسلمانوں کا فکری و عملی تعلق استوار ہوئے بغیر کوئی گتھی سلجھنے والی نہیں ہے۔

واقعہ یہ کہ موجودہ مسلم معاشرہ پر نظر ڈالی جائے اور مسلمانوں کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو آج بھی شاہ ولی اللہ کی تحریک رجوع الی القرآن والسنۃ کی معنویت وافادیت پوری طرح واضح ہو جائے گی۔ قرآن کریم سے بے توجہی وغفلت کے معاملہ میں اس وقت مسلم معاشرہ کی صورت حال تقریباً وہی ہے جو اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں تھی۔ جدید دور میں قصہ گوئی' کتاب خوانی اور شعرو شاعری کی محفلیں تو کم سے کم ہوتی جارہی ہیں' لیکن دوسری قسم کی مصروفیات ودلچسپیوں کی کمی نہیں۔ ٹی وی' کمپیوٹر' انٹرنیٹ وسائبر کیفے اور تفریح کے مختلف ذرائع میں ضرورت سے زیادہ انہماک ودلچسپی نے پورے معاشرہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے جس سے نوجوان طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہے' اور پھر تعلیم کے میدان میں مقابلہ کی پروان چڑھتی ہوئی فضا اور معاشیات کی راہ میں انتھک بھاگ دوڑ کی وجہ سے موجودہ دور کا انسان مصروف سے مصروف تر نظر آتا ہے' مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان حالات میں مذہبی کتابوں خاص طور سے قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے میں دلچسپی کا کم ہو جانا یا اس کے لیے وقت نہ نکالنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے دور میں عام پڑھے لکھے لوگوں کی جو مصروفیات تھیں آج ان کی نوعیت تو بدل چکی ہے لیکن سرچشمۂ رشد وہدایت سے سیرابی کی طلب میں کمی یا اس نسخۂ کیمیا سے استفادہ کے شوق کی پژمردگی کا ماحول آج بھی عام طور پر چھایا ہوا ہے اور یہ صورت حال کم وبیش ہر طبقہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے جیسا کہ شاہ صاحب کے زمانہ میں تھی۔ اس لیے قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو بلانے' ان سے تعلق مضبوط کرنے کی دعوت دینے اور ان سے استفادہ کی راہیں ہموار کرنے کی ضرورت وافادیت نہ صرف بڑھ گئی ہے بلکہ یہ وقت کا تقاضا ہو گیا ہے اور ہر فرد بالخصوص اصحابِ علم کے لیے یہ مسئلہ سب سے زیادہ توجہ کا طالب بن گیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے عہد میں قرآن وسنت سے لوگوں کا تعلق مضبوط کرنے' ان کی فہم کو فروغ دینے اور براہِ راست ان سے استفادہ کی سہولیات بہم پہنچانے کے لیے کیا تدابیر سمجھائیں اور کون سے اقدامات کیے' ان کی کچھ وضاحت یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ ان کی تحریک رجوع الی القرآن والسنۃ کے اہم پہلو سامنے آجائیں اور اس کا طریق کار واضح ہو جائے۔ مزید برآں اس سے یہ اندازہ کرنے میں بھی آسانی ہوگی کہ موجودہ دور میں ان خطوط پر کام کرنے کے کیا مواقع ہیں اور وہ کس حد تک مفید ہو سکتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے زمانہ کے حالات کی روشنی میں اس بات پر خاص توجہ دی کہ لوگوں کو قرآن و سنت سے قریب لانے اور ان سے حصولِ رہنمائی کی ترغیب وتشویق کے لیے ضروری ہے کہ مروّجہ زبان میں قرآن اور حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔ درحقیقت اسی مقصد سے انہوں نے قرآن کریم اور

مؤطا امام مالک کے فارسی میں ترجمہ و مختصر تشریح کی نیک خدمت انجام دی۔ ترجمہ کا یہ کام محض علمی کام و تالیفی مشغلہ نہیں تھا' بلکہ یہ اس تحریک کا بنیادی و ضروری عنصر تھا جو انہوں نے اصلاحِ معاشرہ کے لیے چلائی تھی۔ یعنی اس کے ذریعہ لوگوں کو قرآن و حدیث سے استفادہ کی آسانی بہم پہنچانا اور ہدایت کے ان خزانوں سے فیض یابی کی راہیں ہموار کرنا۔ فارسی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں انہوں نے جس انداز سے مسلمانوں کے سماجی حالات اور روزمرہ مشاغل کی عکاسی کی ہے اور پھر اس کے حوالہ سے فارسی ترجمۂ قرآن کی ضرورت و اہمیت واضح کی ہے' اس سے بھی یہی نکتہ اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ مزید برآں ترجمہ کی زبان کے سلسلہ میں اس صراحت سے بھی یہ بات اور متحقق ہو جاتی ہے کہ اس میں وہ فارسی زبان استعمال کی گئی ہے جو ان کے عہد میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ تیسرے ترجمہ کے ساتھ مختصر تشریح اور پیچیدہ مسائل سے احتراز سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمہ کا اصلی مقصد کیا تھا۔ اسی طرح موطا امام مالکؒ کی عربی شرح (مسوّٰی) کی تالیف کے علاوہ فارسی میں اس مشہور مجموعۂ حدیث کے ترجمہ و تشریح (مصفّٰی) سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب یہ چاہتے تھے کہ عام پڑھے لکھے مسلمان قرآن کے ساتھ براہِ راست حدیث سے بھی استفادہ کریں اور روزمرہ زندگی میں ان کی ہدایات کو اپنائیں اور ہر معاملہ میں ان سے سبق حاصل کریں۔ اصلاحِ معاشرہ کے مشن میں شاہ ولی اللہؒ نے ترجمہ و تشریح کے کاموں کو اہمیت اس وجہ سے دی کہ وہ یہ حقیقت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ لوگوں کے افکار و اعمال کو صحیح رخ پر موڑنے اور ان کی معاشرتی خرابیوں کے ازالہ کے لیے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان قرآن و سنت سے اپنا تعلق مضبوط کریں اور انہیں مشعلِ راہ بنائیں۔ شاہ صاحب کے فارسی ترجمۂ قرآن کے پس منظر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بجا فرمایا ہے:

> ''الغرض شاہ صاحب نے سفرِ حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد یہ فیصلہ کیا کہ ہدایتِ عالم' اصلاحِ عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایات کی براہِ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا' اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ واشاعت''۔(۸)

شاہ ولی اللہؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں اُمتِ مسلمہ کو قرآن و سنت سے قربت پیدا کرنے اور ان کے پیغام کو سمجھنے کی جو دعوت دی اس کی معنویت و اہمیت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب مسلمانوں کے دینی و سماجی اور معاشی و سیاسی حالات کو پیش نظر رکھا جائے۔ معاصر و غیر معاصر تاریخی کتب کے مطالعہ سے جو منظر نامہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

ہر طبقہ کے لوگ معاشرتی پستی و اخلاقی زوال میں مبتلا تھے۔ اصحابِ ثروت عام طور پر عیش پسندی' تن آسانی و فضول خرچی کے عادی تھے۔ شاہی گھرانوں میں روزانہ انواع و اقسام کے کھانے اس قدر ضرورت سے زائد پکتے تھے کہ بد دیانت باورچی فاضل کھانوں کو بازار میں انتہائی کم قیمت پر بیچ دیتے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے گھروں میں کھانا پکتا ہی نہیں تھا اور یہی بچا ہوا کھانا سستے داموں پر خرید لیتے تھے۔ شادی کے موقع پر چالیس پچاس لاکھ روپے خرچ ہو جانا معمولی بات تھی، گرچہ یہ صورت حال بادشاہ و امراء طبقہ میں پائی جاتی تھی لیکن عام لوگ بھی اس سے متاثر ہو رہے تھے۔

ضعف عقیدہ، فرائض سے بے توجہی، غیر ضروری رسوم و رواج میں انہماک اور مزارات، عرس و میلوں میں بڑھتی ہوئی دلچسپی ان کی مذہبی زندگی کے خدوخال تھے۔ پیدائش، شادی و موت کے مواقع سے تعلق رکھنے والی بہت سی ہندوانہ رسوم و روایات مسلم معاشرہ کا جزو بن گئی تھیں۔ دربار میں بعض غیر اسلامی تہوار بڑے دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ توہمات میں یقین، تعویذ و گنڈوں کا کثرت سے استعمال، فال نکالنے و شگون لینے کی عادت میں امیر و غریب، پڑھے لکھے و اَن پڑھ سبھی مبتلا تھے، یہاں تک کہ ہر بڑی آبادی میں تعویذ نویسوں، فال نکالنے والوں اور کاہنوں کا پیشہ ور طبقہ سرگرمِ عمل ہو گیا تھا۔

آمدنی و خرچ میں عدم توازن کا رویہ اہل حکومت میں عام تھا۔ شان و شوکت کی نمائش، عیش و عشرت کی محافل کا انعقاد، شادی و خوشی کے مواقع پر اسراف، رشوت ستانی و بدعنوانی کے برے اثرات ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ معاشی اداروں (زراعت، تجارت، صنعت و حرفت) کی ترقی میں توازن کے اصول کی خلاف ورزی ہو رہی تھی۔ دیہی علاقوں میں عام کسان و کاشت کار جاگیرداروں، زمینداروں اور بڑے بڑے کسانوں یا چودھری و مکھیا کے استحصال و غیر منصفانہ رویہ کا شکار تھے، بدعنوانی اور حکومت کے افسران کی غفلت شعاری کی وجہ سے خراج یا محصول اراضی کی آمدنی دن بہ دن کم ہوتی جا رہی تھی۔

عیش و عشرت اور حرم سرا میں وقت گزارنا بادشاہوں کا (سوائے چند کے) محبوب مشغلہ تھا۔ بادشاہ، امراء اور حکومت کے اہم افسران اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ و لاپرواہ تھے۔ امراء کی باہمی چپقلش اور سیاسی اثر و رسوخ میں اضافہ کے لیے ایک دوسرے کے خلاف مقابلہ آرائی اور تخت و تاج کی جلد جلد تبدیلی نے سیاسی عدم استحکام و انتشار کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ بادشاہ کی نااہلی اور مرکز میں حکومت کی کمزوری کی وجہ سے امراء و جاگیردار اپنی مالی و سیاسی پوزیشن مضبوط کرنے میں مصروف تھے، صوبائی افسران پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ ان حالات میں لازمی طور پر باغیانہ عناصر کو بڑھاوا ملا اور مغل حکومت کے داخلی و خارجی مخالفین کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا۔

علماءِ وقت بھی اپنے فرائض سے غافل ہو گئے تھے۔ قرآن و حدیث میں انہماک اور ان سے بھرپور استفادہ کے بجائے فقہ، فلسفہ و تصوف کی کتابوں سے زیادہ اشتغال رکھتے تھے۔ مسائل کے حل میں قرآن و حدیث سے براہِ راست رجوع کرنے کے بجائے وہ قدیم فقہی کتب پر انحصار کرتے تھے۔ فقہی موشگافیوں میں وہ اپنی صلاحیتیں زیادہ صَرف کرتے تھے اور تقلید کی ڈگر سے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ مجتہدانہ ذوق کا فقدان زمانہ کا مزاج بن گیا تھا۔ ان علماء میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو دنیوی فائدہ کی خاطر یا بادشاہ و امراء کو خوش

کرنے کے لیے احکامِ شریعت کی غلط تعبیر پیش کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتا تھا۔

اس زمانہ میں صوفیاء کے متعدد گروہ خود بھی فکر وعمل کے اعتبار سے گمراہ تھے اور دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بن رہے تھے۔قرآن وسنت کے خلاف بہت سے اعمال ان کی زندگی میں رائج تھے‘ ان میں نشہ آور چیزوں کے استعمال‘ ساتر لباس سے احتراز‘ ازدواجی زندگی سے پرہیز کرنے والے بھی تھے۔صوفیہ کے ایک طبقہ نے پیشہ وارانہ صورت اختیار کر لی تھی اور تصوف اور اس کے اشغال کو کسبِ مال کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ عوام میں اُن صوفیاء کے اثرات بڑھتے جا رہے تھے جو مذہبی فرائض و واجبات کی تلقین کے بجائے انہیں اوراد و وظائف اور مخصوص صوفیانہ اعمال کا عادی بنا رہے تھے۔(۹)

یہ تھے ہند کی ملتِ اسلامیہ کے مذہبی وسماجی‘ معاشی وسیاسی احوال وکوائف جن میں ولی اللّٰہی تحریک نے جنم لیا‘ اور جس انداز میں انہوں نے مسلمانوں کے الگ الگ طبقہ سے خطاب کر کے انہیں اصلاحِ احوال کی دعوت دی اُس سے یہ حقیقت بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ معاصر مسلم معاشرہ پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔انہوں نے ہر ہر پہلو سے اس کی نبض ٹٹولی‘ اس کی بیماریوں وکمزوریوں کا پتا لگایا اور ان کے اسباب پر غور وخوض کر کے علاج کی تدابیر پیش کیں۔اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کے مجوزہ علاج کا بنیادی عنصر رجوع الی القرآن والسنہ تھا۔شاہ ولی اللہؒ نے اپنے نتائجِ فکر اپنی مختلف کتابوں میں پیش کیے ہیں جن میں قرآن وحدیث کے تراجم کے علاوہ حجۃ اللہ البالغہ‘ التفہیمات الالٰھیہ‘ وصیت نامہ اور مکتوبات کے مجموعے شامل ہیں۔سچ یہ کہ مختلف موضوعات پر شاہ صاحب کی کثیر تصانیف بطور علمی یادگار ملتی ہیں اور ان میں مختلف النوع مسائل زیرِ بحث آئے ہیں۔ان میں سے بیشتر میں قرآن وحدیث کی ترجمانی کو اوّلیت دی گئی ہے اور اس فکر کی تشریح وترجمانی پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن وسنت سے حصولِ رہنمائی اور ان کی ہدایات پر کاربند رہنے میں ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل پوشیدہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں میں قرآن وحدیث کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔بہت سے مباحث کے ضمن میں ان کے حوالے واضح طور پر نہیں ملتے‘ لیکن اگر ان کا بغور مطالعہ وتجزیہ کیا جائے تو یہی نتیجہ اخذ ہوگا کہ وہ قرآن وحدیث سے مستفاد ہیں۔انہوں نے علماء کے نام اپنے پیغام میں بھی اسی پر خاص زور دیا ہے کہ وہ دوسری کتابوں کے بجائے قرآن وحدیث کو اوّلیت دیں اور اپنے افکار وخیالات کا اصل ماخذ ومنبع انہی کتابوں کو بنائیں اور انہی کی ہدایات وتعلیمات بالخصوص قرآنی فکر کی تشریح وترجمانی کو اپنی تحریروں کا خاص مقصد قرار دیں۔اس لیے کہ اصلاً دین کے مبلغ وہی (علماء) ہوتے ہیں اور تحریکِ اصلاح کی مشنری کو چلانے والے بھی وہی ہوتے ہیں۔مختصر یہ کہ شاہ صاحب نے خود بھی اپنے خطبات اور تحریروں میں اسی قیمتی نکتہ کو عملی طور پر برتا اور اصحابِ علم واہلِ قلم کو بھی اسی کی دعوت دی۔معروف پاکستانی اسکالر ڈاکٹر محمد الغزالی نے شاہ ولی اللہؒ کے فکری ماخذ پر روشنی ڈالتے ہوئے صحیح تبصرہ فرمایا ہے:



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

*"The Quran remains throughout the ultimate source of his thought"* (۱۰)

اسی بات کو وہ مزید واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ انسانی معاشرہ کے مسائل پر قرآنی منہاج سے نظر ڈالتے ہیں اور اسی کی روشنی میں ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں قوموں کے عروج و زوال پر ان کے مباحث اور انسانی تمدن کے ارتقاء کے بارے میں ان کے خیالات کی بنیادیں بھی قرآن میں مل جائیں گی۔ (۱۱)

شاہ ولی اللہ کی اصلاحی تحریک کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا' انہوں نے معاشرہ کے ہر طبقہ کو اپنی دعوت رجوع الی القرآن والسنہ کا مخاطب بنایا اور ہر ایک کو قرآن وسنت سے قربت پیدا کرنے اور ان پر کاربند رہنے کی تلقین کی۔ اس کی بخوبی وضاحت ان تحریروں سے ملتی ہے جن میں انہوں نے علماء' صوفیاء' اہل حکومت اور عوام سب سے الگ الگ خطاب کر کے انہیں اصلاحِ احوال کی دعوت دی ہے۔ انہوں نے جس حکیمانہ انداز میں اُمت کی دکھتی رگ پر انگلی رکھی ہے اور ایک ماہر نباض کی حیثیت سے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کے امراض کی تشخیص کی ہے' اس سے نہ صرف مسلمانوں کی اصلاح کے تئیں ان کی دردمندی وفکرمندی کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اپنی اصلاحی تحریک شروع کرنے سے قبل انہوں نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کے حالات کا جس گہرائی سے مطالعہ وتجزیہ کیا اور جس خوش اسلوبی سے انہوں نے اس تحریک کو ایک حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا' وہ بھی اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ معاشرہ کے مختلف قسم کے لوگوں کے لیے شاہ صاحب کے خطابات کے کچھ حصے یہاں نقل کیے جا رہے ہیں تاکہ ان کے قیمتی پہلو مزید واضح طور پر سامنے آ جائیں۔ طالبینِ علم وحاملینِ علم دین (طلبہ وعلماء) سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اے بدعقلو! جنہوں نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صَرف ونحو ومعانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یاد رکھو علم یا تو قرآن کی کسی آیتِ محکم کا نام ہے یا سنتِ ثابتہ قائمہ کا۔ چاہیے کہ قرآن سیکھو' پہلے اس کے غریب لغات حل کرو' پھر سبب نزول کا پتا چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیث رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کر لو...... چاہیے کہ حضور ﷺ کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپؐ کی سنت پر عمل کرو' مگر اس میں اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو۔ اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو' مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں' نماز کے ارکان کیا ہیں' زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے' قدرِ واجب کیا ہے' میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے...... جن علوم کی حیثیت ذرائع اور آلات (مثلاً نحو وصرف وغیرہ) کی ہے تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو' نہ کہ انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو۔ علم کا پڑھنا تو اس لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو' لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو''۔ (۱۲)

مزید برآں شاہ ولی اللہ علماء کو بار بار اس کی دعوت بھی دیتے رہے کہ فقہی مسائل کے حل میں سب سے پہلے وہ لازمی طور پر قرآن وحدیث سے رجوع کریں' اس لیے کہ یہی بنیادی واوّلین مآخذ ہیں۔ انہوں نے اپنے مشہور وصیت نامہ کی پہلی ہی وصیت میں اس بات کی خاص تاکید کی کہ فروعی مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے' جو ان کے موافق ہوں انہیں قبول کیا جائے اور جو خلاف ہوں انہیں ترک کر دیا جائے۔ بہت ہی واضح لفظوں میں انہوں نے یہ حقیقت گوش گزار کی کہ اُمت کو قیاسی مسائل میں کسی صورت میں کتاب وسنت سے استغناء نہیں ہے۔ (۱۳)

علماء یا حاملینِ علم سے خطاب یا انہیں نصیحت کرنے میں شاہ ولی اللہ نے خاص طور سے تین باتوں کی طرف انہیں متوجہ کیا ہے اور وہ یہ کہ تمام علوم میں علمِ قرآن وحدیث کے سیکھنے سکھانے پر سب سے زیادہ توجہ دی جائے' دین کی باتیں معلوم کرنے اور احکامِ شریعت کا علم حاصل کرنے کے لیے ان سے براہِ راست استفادہ کیا جائے۔ مزید یہ کہ اکتسابِ علم کا سب سے بڑا مقصد لوگوں میں دین کی اشاعت اور دینی شعائر کی ترویج ہے' علمی صلاحیتوں کو انہی کاموں کے لیے استعمال کیا جائے نہ کہ لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں منہمک کرنے کے لیے۔

مشائخ (پیرزادوں) سے خطاب کرتے ہوئے اور عام مسلمانوں کو گمراہ کن صوفیوں سے متنبہ کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ''اے وہ لوگو! جو اپنے آباء واجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو' یعنی گزشتہ بزرگانِ دین کی اولاد میں سے ہو' میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ٹکڑیوں ٹکڑیوں' ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں' ہر ایک اپنی اپنی راگنی اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف وکرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں سے ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے' اپنی جگہ اپنے آپ کو راہ یافتہ اور راہنما ٹھہرائے ہوئے ہے' حالانکہ وہ دراصل خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں...... اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ ورسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں...... خبردار خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو...... لوگو دیکھو کیا تمہارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾ (الانعام:۱۵۳) ''یہ میری راہ ہے سیدھی' تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو' وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے''۔ (۱۴)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خطاب میں واضح طور پر ان گمراہ کن پیرزادوں پر نکیر کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی بجائے اپنے منتخب کردہ پیشواؤں کی یا اپنی باتوں کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ وہ خود گم کردہ راہ ہیں' تو دوسروں کو کیا راہ دکھا سکتے ہیں۔ دراصل راہِ مستقیم تو وہ ہے جسے قرآن نے دکھایا اور نبی کریم ﷺ نے جس پر چل کر مزید واضح کر دیا ہے۔ اس خطاب میں شاہ صاحبؒ کی یہ نصیحت بھی بڑی اہم ہے کہ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کی پیروی نہ کی جائے جو کتاب وسنت کے بجائے کسی اور طریقہ پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ متقشف واعظوں اور گوشہ نشیں زاہدوں (جو ہر رطب و یابس پر یقین رکھتے تھے اور جعلی و گھڑی ہوئی حدیثوں کے حوالہ سے وعظ سنا کر لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرتے تھے) سے خطاب کرتے ہوئے بڑا چبھتا ہوا سوال کرتے ہیں:

''کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ہے' وہی صرف ہدایت ہے جو آپ ﷺ کی (لائی ہوئی) ہدایت ہے' پھر کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے؟''(۱۵)

بادشاہوں یا حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمہیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک حاکم مقرر کرو جو عدل وانصاف کا مجسمہ ہو' قوی ہو' جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کی حدود کو قائم کر سکتا ہو اور اس میں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت وسرکشی کے جذبات نہ پیدا ہوں' نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے' نہ کسی گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو' اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے۔ ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے۔ چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

اے بادشاہو! جب تم یہ کر لو گے تو اس کے بعد ملأ اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزلی وعائلی زندگی کی طرف توجہ کرو' ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ اور ایسا کر دو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو۔ اسی کے بعد لوگ امن وامان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں''۔(۱۶)

اس خطاب سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے حکمرانوں کو ان کے فرائض یاد دلائے' خاص طور سے انہیں اس جانب متوجہ کیا کہ وہ امورِ حکومت کو سنجیدگی و ذمہ داری سے انجام دیں' عدل و انصاف کے قیام اور مظلوموں کی دادرسی کو یقینی بنائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کمزوروں کو طاقتور لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ ذمہ دار' انصاف پسند اور صاحبِ قوت امراء وافسران متعین کریں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ لوگوں میں شرعی قوانین کی ترویج وتنفیذ ہو اور امن وامان قائم رہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے خطاب کے

یہ نکات اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے کافی اہمیت و معنویت رکھتے ہیں جب کہ بادشاہ اور حکومت کے افسران اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو گئے تھے' مختلف علاقوں میں باغی و شورش پسند عناصر کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں اور کمزور' طاقتور و بااثر لوگوں کی ظلم و زیادتی کا شکار ہو رہے تھے۔ دوسرے ان نکات پر اگر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہی وہ فرائض ہیں جو قرآن میں حکمرانوں یا اہلِ اقتدار کے سلسلہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ مختلف آیات میں بعثتِ انبیاء کے بنیادی مقاصد اور اہل حکومت کی ذمہ داریوں میں عدل و انصاف کا قیام' احکامِ شریعت کا نفاذ اور دینی شعائر کی ترویج کا ذکر آیا ہے۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید:٢٥)

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ﴾ (الحج:٤١)

''یہ (مؤمنین) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں''۔

عام مسلمانوں سے شاہ ولی اللہؒ کا جو خطاب ہے اور اس کے ذریعہ انہوں نے جو پیغام دیا ہے' وہ اپنے اندر بڑی جامعیت و اہمیت رکھتا ہے۔ وہ انہیں متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں: اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں' تم پر بیجا حرص و آز کا ہوکا سوار ہو گیا ہے' تم پر شیطان نے قابو پا لیا ہے' عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں' حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنا لیا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ ہو چکا ہے۔ پھر قسم ہے اللہ کی' اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پورا کرو خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اپنے مصارفِ وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو۔ یاد رکھو ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہے جس میں وہ آرام کرے' اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو' اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے' اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے' ایسی بیوی جو اس کی شرم گاہ کی حفاظت کر سکتی ہو اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو' تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے۔ چاہیے کہ (وہ) اس پر خدا کا شکر کرے۔ بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستورِ زندگی بنائے اور اپنے رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے' اور اللہ کی یاد کے لیے جو فرصت ہم دست ہوا سے غنیمت شمار کرے''۔(۱۷)

مزید برآں اس زمانہ کے مسلمان بہت سی غیر اسلامی رسوم و روایات میں مبتلا تھے۔ ان میں سے خاص طور پر عاشوراء اور شبِ براءت کے موقع پر جو کچھ غیر اسلامی روایات اختیار کی جاتی تھیں ان پر متنبہ کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے' مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرا لیا ہے۔ یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو۔ ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو' وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو''۔(۱۸)

پھر آخر میں شاہ صاحب نے نماز' روزہ اور زکوٰۃ کے باب میں جو غفلت و لاپروائی پائی جاتی تھی اس پر نکیر ظاہر کرتے ہوئے ان فرائض کی پابندی کی مخلصانہ نصیحت کی ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے مسلم معاشرہ میں غیر اسلامی رسوم و روایات اور بدعات و خرافات کا دور دورہ تھا۔ مذہبی فرائض و واجبات سے غفلت' آمد و خرچ میں عدم توازن' پر تکلف دعوتوں کا اہتمام' حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال و دولت جمع کرنے کی ہوس' اُس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرہ کی عکاس تھیں۔ اس صورت حال میں شاہ صاحب نے عام لوگوں کو فرائض کی بجا آوری میں پابندی کرنے' بدعات و خرافات اور غیر ضروری رسوم کو تیاگ دینے' اعتدال کی راہ اپنانے' دوسروں کا بوجھ بننے کے بجائے محنت کر کے کمانے اور سادہ زندگی گزارنے کی جانب جس مؤثر انداز میں متوجہ کیا اس کی اہمیت و افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ دوسرے اس تذکیر و تلقین میں قرآن و حدیث کی روشن تعلیمات کا جو پَرتو نظر آتا ہے وہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ان خطابات و نصائح سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کس گہرائی سے اپنے زمانے کے حالات کا جائزہ لیا اور مختلف طبقہ کے لوگوں کے احوال کا کس باریک بینی سے مشاہدہ کر کے ان خرابیوں و کمزوریوں کی نشاندہی کی جو ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں سرایت کر گئی تھیں اور پھر ان کے ازالہ کے لیے اپنا مجوزہ نسخہ پیش کیا اور وہ تھا: قرآن و سنت سے تعلق مضبوط کرنا' ان کی ہدایات و تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور زندگی کے ہر معاملہ میں ان پر پوری سنجیدگی سے کاربند رہنا۔ یہی وہ پیغام ہے جس کی ترسیل و اشاعت کو شاہ صاحب نے اپنی علمی مصروفیات کا سب سے اہم مقصد بنایا۔

آخر میں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض جدید اسکالرز کی رائے میں شاہ صاحب نے اُمت کے زوال یا مسلم معاشرہ کی خرابیوں و کمزوریوں کی تین خاص وجوہ بیان کیں: (۱) ضعفِ عقیدہ

(۲) اخلاقی زوال' اور (۳) باہمی اختلاف و افتراق۔ پہلے اور تیسرے اسباب کے دفع کے لیے انہوں نے قرآن و حدیث سے استفادہ اور ان کی ہدایات پر عمل کرنے پر زور دیا' لیکن اخلاقی زوال دور کرنے کے لیے انہوں نے تصوف کا نسخہ پیش کیا' اس لیے کہ یہ براہِ راست قلب سے اپیل کرتا ہے اور قلب کی صفائی یا نفس کے تزکیہ کے بغیر اخلاقی خرابیوں کا ازالہ ممکن نہیں۔ اس اپروچ سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے اور شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں بار بار اس کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر دل و دماغ کو اپیل کرنے والی اور کوئی کتاب نہیں۔ یہ تو ''شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ'' ہے' دل کی گہرائیوں میں اتر کر انسان سے باتیں کرتی ہے۔ انسان اور اس کی نفسیات کے خالق کی یہ کتاب انسان کی ایک ایک اندرونی بیماری کی نہ صرف نشاندہی کرتی ہے بلکہ اس کے خاتمہ کی تدبیر بھی بتاتی ہے۔ وہ انسان کی اخلاقی خرابیوں کی جڑوں تک پہنچ کر انہیں کاٹنے اور ان خرابیوں کے استیصال کا طریقہ سکھاتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ اخلاق و خصائل کے باب میں قرآنی ہدایات و تعلیمات کا مجسم پیکر تھے' جیسا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ ؓ کے اس بیان سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے: ''کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ''۔ پھر اسی کتاب کی تعلیمات کے ذریعہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی تطہیرِ قلب فرمائی اور ان کے تزکیۂ نفس کا فریضہ انجام دیا۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاقی خرابیوں کے ازالہ کے لیے شاہ صاحب نے تصوف کا سہارا لیا۔

مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ ؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے جو تحریک برپا کی اس کے فکری مآخذ قرآن و سنت تھے۔ انہی دونوں منابعِ ہدایت سے انہوں نے اس کی آبیاری کی اور مذہبی' سماجی' معاشی اور سیاسی زندگی کی خرابیوں و کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے افکار پیش کیے۔ انہوں نے بہت ہی واضح لفظوں میں عوام' علماء' صوفیاء و اہل حکومت کو یہ پیغام دیا کہ قرآن و حدیث سے اخذ کردہ فکری غذا ہی ان کی کمزوریوں کو دور کرے گی اور ان کی زندگیوں میں سدھار لائے گی۔ اس لیے ان سے قربت حاصل کرنا اور ہر معاملہ میں ان سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ شاہ صاحب کی علمی مصروفیات بالخصوص ان کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں سے اہل علم کے لیے یہ قیمتی سبق بھی ملتا ہے کہ وہ اپنی ذہنی استعداد اور علمی صلاحیتوں کو قرآن کا پیغام عام کرنے اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کریں' ان کے فہم کی راہیں آسان بنانے کے لیے بھرپور کوشش کریں اور آسان پیرایہ میں ان کی ہدایات و تعلیمات کی تشریح و ترجمانی کو اپنا مشن بنائیں۔ سچ یہ کہ قرآن و سنت سے جتنی قربت لوگوں کی بڑھے گی' اتنی ہی ان کی زندگی سے غیر اسلامی رسوم و روایات کا خاتمہ ہوگا۔ جس ذوق و شوق سے وہ روزمرہ زندگی کے معاملات میں ان سے ہدایت حاصل کریں گے اسی قدر تیزی سے ان میں سدھار آئے گا اور بگڑا ہوا معاشرہ صحت مند ہو جائے گا' اور جس سنجیدگی سے وہ ان کے مطالبات پورے کریں گے اسی قدر جلد وہ معاشرت و معیشت اور



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست وحکومت ہر باب میں ایک انقلابی تبدیلی محسوس کریں گے،ایسی تبدیلی جو خوشگوار ہو گی اور امن وامان کی ضامن بھی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور قرآن وسنت سے تعلق مضبوط کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

**اللّٰھم تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم!**

## حواشی

(۱) فتح الرحمٰن بترجمة القرآن، مخطوطه مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ورق ۳ب۔

(۲) التفهيمات الالٰهيه، المجمع العلمی، ڈابھیل، ۱۹۳۶ء، ۱۶۲/۲۔

(۳) الفوز الكبير فی اصول التفسير، مطبعة ندوة العلماء، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، ص ۲۵۔

(٤) حجة الله البالغة، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱۳۷۳ھ، ۱/۲، مصفیٰ (فارسی شرح مؤطا امام مالک) کتب خانہ رحیمیہ، دہلی، ۱۳۴۶ھ، ص ۲۔

(۵) انفاس العارفين، اردو ترجمہ: محمد الفاروق القادری، مکتبہ الفلاح، دیوبند، بدون تاریخ، ص ۴۰۴۔۴۰۵۔

(٦) المقالة الوضيئة فی النصيحة والوصية، مشموله: مجموعه وصايا اربعه (مرتبہ ومترجمہ: محمد ایوب قادری) شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد (پاکستان)، ۱۹۶۴ء، ص ۵۰۔

(۷) حوالہ مذکورہ بالا، ص ۴۳۔

(۸) تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات، لکھنؤ، ۲۰۰۲ء، ۱۴۵/۵۔

(۹) اٹھارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے مذہبی، سماجی واخلاقی حالات پر تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد عمر، اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۷۳ء، باب سوم وچہارم۔

(۱۰) *The Socio-Political Thought of Shah Waliullah, Adam Publishers, New Delhi, 2004,p,6*

(۱۱) حوالہ بالا، ص ۳۶۔

(۱۲) شاہ ولی اللہ دہلوی، التفهيمات الالٰهيه، مجلس علمی، ڈابھیل، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء، ص ۲۱۴۔۲۱۵۔ اردو ترجمہ: سید مناظر احسن گیلانی۔ آغوش موج کا ایک در تابندہ، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر (طبع دوم)، الفرقان بک ڈپو، بریلی، ۱۹۴۱ء، ص ۱۴۹۔۱۵۰۔

(۱۳) المقالة الوضيئة فی النصيحة والوصية، ص ۴۳/اردو ترجمہ، ص ۴۷۔

(۱٤) التفهيمات الالٰهية، ۱۳/۱۔۲۱٤، الفرقان، محوله بالا، ص ۱٤۸۔۱٤۹۔

(۱۵) التفهيمات الالٰهية، ۲۱۵/۱۔ الفرقان، محوله بالا، ص ۱۵۰۔

(۱٦) التفهيمات الالٰهية، ۲۱۵/۱۰۔۲۱۷، الفرقان، محوله بالا، ص ۱٤٦۔

(۱۷) التفهيمات الالٰهية، ۲۱۸/۱۔۲۱۹، الفرقان، محوله بالا، ص ۱۵۱۔۱۵۲۔

(۱۸) حوالہ مذکورہ بالا۔

❁❁❁